WOMEN'S PSYCHOLOGICAL CONFLICT: WHO'S RESPONSIBLE; SOCIAL BEHAVIOR OR ISLAMIC TEACHINGS? (A RESEARCH ANALYSIS)

عورت کی نفسیاتی کشمکش: ذمہّ دار معاشرتی رویےّ یا اسلامی تعلیمات؟ (ایک تحقیقی جائزہ)

Khanzada Muhammad Waqar, Lecturer, University College for Boys, University of Peshawar. PhD scholar at Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar. *kmw197916@gmail.com , https://orcid.org/0000-0002-9850-3081*

ABSTRACT: *Misunderstanding, illusion, deprivation, ill-treatment, complexity of marital status, societal imbalance, prejudice and social injustice, all these are the actual and factual reasons for what we see common people whether Muslims or Non-Muslims criticizing Islam and its teachings for not giving women due rights, hence putting them in a perplexed and tangled situation. The study shows that there is nothing in Islam which could invoke men of the society to be at loggerheads with their counterpart, rather there exist some prevailing unwise thoughts, misconceptions and gender-biased anti-Islamic approaches that have haunted the overall human society thus resulting in chaos, destruction and mental illness of one of the important fabrics of the Muslim society called as "woman". The study further shows that the issues can easily be resolved through better understanding of the various Islamic injunctions while indulging women itself being discussed as one of the major components of human development keeping in mind the limitations of the creature with respect to God.*

KEYWORDS: *Misunderstanding, illusion, societal imbalance, women's psychological conflict, social behavior.*

تمہید: عورت جہاں روز اوّل سے اپنے انسانی جوڑے کے ہاتھوں ظلم و تعدی اور تذلیل کا نشانہ بنتی آرہی ہے وہاں یہ سوال بھی زیر گردش رہا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہر دور میں عورت کو مصائب کی چکی میں پسنا پڑا ہے۔ وجوہات کو جاننے کے لیے جب تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حوالے سے بعض مذہبی اور خود ساختہ نظریات نے اُس کے تشخص کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ حالاں کہ اس بات میں کوئی تردّد نہیں کہ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورت کا کردار انتہائی اہم رہا ہے بلکہ نسلِ انسانی کی افزائش، نشو نما اور اس کی بقا اس کے بغیر ناممکن ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے تناظر میں یہ سوال زور پکڑنے لگا ہے کہ جہاں مذہب اسلام نے آکر باقی ماندہ تمام مذاہب کو پس پُشت ڈال دیا، وہاں عورت آج بھی نفسیاتی اور ذہنی کشمکش کا شکار کیوں نظر آتی ہے؟ کیا عالمگیر فلسفہ کی حامل اسلامی تعلیمات بھی عورت کا وہ جائز اور صحیح مقام دلوانے کے لیے ناکافی ہیں جس کی وہ حق دار ہے یا پھر مردوں کے معاشرے میں عورت کی ذات اور اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو قبول کرنا ایک گناہِ عظیم ہے جس کی بدولت وہ آج بھی باوُجود ہدایاتِ ربانیہ و تعلیماتِ نبویہ کے دربہ در کی ٹھوکریں کھاتی نظر آتی ہے؟ عورت کے متعلق قدیم و جدید فلاسفہ کا ملا جُلا رجحان نظر آتا ہے جو واضح کرتا ہے کہ عورت ان معاشروں میں کیوں کر اپنا مقام کھو چکی تھی۔ کیوں کہ جہاں ایک عظیم مفکر ارسطو یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عورت دراصل مرد کی دوسری شکل ہے، وہاں ایک اور نامور مفکر و فلسفی فیڈرک نطشے عورت کو خدا تعالیٰ کی دوسری غلطی سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ ایک مشہور مغربی مصنف آسکر وائلڈ تو یہاں تک مزاق اُڑا بیٹھے کہ کیا عورت کی تخلیق اس مقصد کے لیے ہوئی ہے کہ اس کو

بھی سمجھا جائے؟ (۱) بلکہ ایک مفکر کو تو یہ تک کہنا پڑا

"The male, unless constituted in some respect contrary to nature, is by nature more expert at leading than the female, and the elder and complete than the younger and incomplete." (2)

وہ مزید کہتا ہے:

"The relation of male to female is by nature a relation of superior to inferior and ruler to ruled."(3)

اسی طرح ایک اور یونانی مفکر نے عورت کے اوصاف کو اپنے الفاظ میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

"Wherefore women are no more compassionate and more readily made to weep, more jealous and querulous, founder of the railing and more contentious. The female also is more subject to depression of spirits and despair than the male. She is also more shameless and false, more readily deceived, and more mindful of injury, more watchful, idler, and on the whole less excitable than the male." (4)

جہاں تک معاشرے کی تشکیلِ نو اور اس کے کردار کا سوال ہے تو یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ معاشرے انسانوں کی سوچ کے عکاس ہوتے ہیں۔ جس طرح انسان کی ذہنی و فکری صلاحیت پروان چڑھے گی، اُسی طرح معاشرے کے خدّوخال وضع ہوتے چلے جائیں گے۔ چونکہ معاشرہ انسان ہی تشکیل کرتا ہے اس لیے اس کی ہیئت بھی انسان کے اکثریتی گروہ کے تابع ہوتی ہے اور پھر کوئی فردِ واحد دانستہ یا نادانستہ طور پر اُس معاشرے کے اکثریتی فلسفے و قانون کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کسی بھی معاشرے میں بسنے والے انسانوں کا ایک خاص نظم و نسق کے تحت چلنا ایک طبعی امر کے مُترادف ہوتا ہے۔

اسی گفتگو کے تناظر میں جب قدیم اور جدید انسانی معاشروں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت روزِ اوّل سے ہی طعن و تشنیع اور ظُلم و جور کا شکار رہی ہے اور ان تہذیبوں نے، جن کی بنیاد چاہے مذہبی تعلیمات پر قائم تھی یا خود ساختہ انسانی نظریات پر، ہر طریقے سے عورت کو استحصال اور محرومی کا نشانہ بنایا ہے۔ خواجہ عبدالمنتقم، دائرہ المعارف برٹانیکا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "عورت کا مقام و مرتبہ قدیم تہذیب یونان میں اس قدر گھٹا دیا گیا تھا کہ اس کی حیثیت فقط اتنی سی رہ گئی تھی کہ وہ بچے جَس کر مثلِ لونڈی اسے پالے پوسے۔ (اس بنا پر) عورت کو فقط گھر کی چار دیواری تک محبوس کر دیا گیا تھا، وہ تعلیم و تہذیب اور ثقافت سے محروم کر دی گئی تھی اور (اس سبب) اس کے سرتاج انہیں عام دوسری گھریلو اشیاء کی مانند ہی خیال کیا کرتے تھے۔" (5) یونانی تہذیب کی زبوں حالی اس حقیقت سے مترشح ہو جاتی ہے کہ وہاں عورت کو قطعاً کوئی اختیار حاصل نہ تھا اور مرد حضرات عورت سے اُن کی اولاد قبضے میں لے کر پہاڑوں میں مرنے کے لیے چھوڑ جاتے، مگر مجال ہے کہ انتہائی کسم پُرسی، وحشت اور ویرانی کی حالت میں تڑپتی ہُوئی اس ننھی جان کے لیے ماں کسی قسم کی آواز بُلند کر سکے اور شوہر کے فیصلے میں دخل اندازی کی جرات کر سکے۔ (6) اسپارٹا میں قائم ایک اکادمی کے ذریعے عورت کو ایک ناپاک اور نجس حیوان قرار دلوایا گیا بلکہ اُسے شیطان کا جال، کینہ پرور اونٹ اور پاگل کتے سے تشبیہہ دی گئی۔ دیوی مالاؤں کے ناموں پر قائم تہواروں اور میلوں کے اندر عورت کو محض اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے پیش کیا جاتا جو مردوں کے سامنے برہنہ انداز میں انتہائی ہیجان خیز ناچ سرانجام دیتی جس سے اس

معاشرے میں اس کی عزت و وقار کا پتہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔ (7) جہاں تک رومی تہذیب کا تعلق ہے تو اس نے بلاشُبہ تاریخ کے اوراق پر اَن گنت نقوش چھوڑے ہیں لیکن بد قسمتی سے اس بُلند پایہ رومی تہذیب و ثقافت میں بھی عورت رومی معاشرے کے ہی رحم و کرم پر دکھائی دیتی نظر آتی ہے۔ اور اس کا ثبوت شوہر کو اس کے قتل کا مکمل اِختیار دینا ہے جب اُسے اپنی بیوی کے کردار سے متعلق ہلکا سا بھی شبہ ہونے لگے اور پھر وہ اُسے چاہے جس طرح سے بھی قتل کرے، اُسے پوری آزادی ہے۔ (8) رومی سلطنت میں عورت کے نکاح کی حیثیت صرف جنسی تسکین مُہیا کرنے جب کہ اس کی ذات کی شناخت معدوم تھی یہاں تک کہ اس کی گواہی کی بھی کوئی وُقعت نہ ہوا کرتی تھی اور یوں قانوناً اسے اپنے حق سے دستبردار کر دیا گیا تھا۔ (9) بابل کی تہذیب میں تو عورت کے بیچنے اور خریدنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے جہاں وہ اپنے سگے والدین کے ہاتھوں مالی مجبوریوں کی بنا پر منڈیوں میں فروخت ہو جایا کرتی۔(10)

"یونان میں جب جمہوری دور عروج پر تھا تو پردے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا لیکن جوان نسل خاص کر عورت کو کَس کر رکھا گیا۔ عورت کی شرافت، عزت، عصمت اور عفت کو ایک اعلیٰ اور قیمتی ورثہ سمجھا جاتا تھا اور یہ معیارِ شرافت و بزرگی ہوا کرتا تھا۔ اخلاقی معیار بُلند تھا۔ ایک دفعہ رومی سینٹ کے ایک رکن کی حرکت کو قومی اخلاق کی توہین گردانا گیا جب اُس نے فقط اپنی دختر کے سامنے اپنی اہلیہ کا بوسہ لیا، جس پر اس کے خلاف سینٹ میں ملامت کا ووٹ پاس کرنا پڑا۔ لیکن پھر کیا ہوا کہ تہذیب و تمدن کے اُن بُلند ایوانوں میں رومیوں کے نزدیک عورت کے متعلق نظریات اور اصول و قوانین برائے نکاح و طلاق اور خاندانی نظام کچھ یوں بدلے کہ صورتحال یکسر اس کے برعکس اور مختلف ہو گئی۔ نکاح تو فقط ایک قانونی معاہدہ کی شکل اختیار کر گیا جس کا باقی رہنا شوہر اور بیوی پر ہی منحصر تھا۔" (11)

وہ مزید لکھتے ہیں: "اس دور میں پھر یہ دیکھنے کو مِلا کہ آہستہ آہستہ نکاح کی حُرمت کا تصوّر کچھ دلوں سے یوں غائب ہوا کہ مرد اور عورت پھر بلا نکاح تعلق کو معیوب ہی نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ بڑے بڑے علمائے اخلاق و باطن بھی زنا کو معمولی اور ایک ادنیٰ سا فعل گردانے لگے۔ فلاسفہ کی جماعت میں سخت ترین اخلاقی اُصول رکھنے والے اساتذہ کو بھی بالآخر ایک وقت یہ تک کہنا پڑ گیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے شادی کی رسم سے پہلے عورت کی صحبت تنہائی سے اجتناب کرو مگر تم سے اگر کوئی اس معاملے میں اپنے ضبط و نفس پر قابو پانے میں ناکام ہو جائے تو اُسے ملامت نہ کرو۔ یہی وجہ تھی کہ اخلاقی اور معاشرتی اقدار جب کمزور اور ڈھیلے پڑ گئے تو روم بھی مثل دیگر تہذیبوں کے فحاشی، عُریانی اور شہوت پرستی کے دلدل میں ایسے دھنستا چلا گیا کہ پھر نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ بچا یہاں تک کہ فحش، عُریاں اور ننگی تصاویر ہر گھر کی زینت بنتی چلی گئیں۔ قحبہ خانوں کا باقاعدہ کاروباری سطح پر آغاز ہُوا۔ 'فُلورا' نامی ایک کھیل جسے آج کل بھی پذیرائی حاصل ہے، اس وقت کا ایک نہایت ہی مقبول و مرغوب شغل بن گیا کہ جس میں بے شمار ننگی اور برہنہ عورتیں کھلے عام دوڑ لگوایا کرتی تھیں۔ حیوانی و نفسانی خواہشات کے غلبہ نے قصرِ روم کا ایسا تیا پانچا کیا کہ اخلاقی تہذیب آج بھی خاکِ روم میں ماتم کرتی نظر آتی ہے۔" (12)

جہاں یونانی اور رومی معاشروں میں عورت کے عزت و مقام اور مرتبہ کو بُری طرح روندا گیا وہاں وعرت مصری معاشرے میں خاطر خواہ عزت واحترام حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب دکھائی دیتی ہے اگرچہ قدیم مصری تہذیب بھی دیگر تہذیبوں کی طرح اپنا مقام برقرار نہ رکھ سکی اور سابقہ معاشروں کی مانند وعورت کے استحصال میں پیش پیش رہی۔ قدیم مصری معاشروں میں شاہی خاندان اگر مرد سے محروم ہوتا تو عورت کو تخت پر بٹھا کر اور اسے سلطنت کا وارث بنا کر اس کی بھاگ دوڑ کی ذمہّ داری اس کے حوالے کر دی جاتی تھی وہ بھی صرف اُس صورت میں کہ عورت شاہی دستور و رواج کے مطابق ملکہ مصر ہونے کے باوُجود اپنا لباس زیب تن کرنے کی بجائے مردانہ لباس، جو شہنشاہِ سلطنت استعمال کرتے تھے وہ پہنا کرتی تھی۔(13)

قدیم مصری معاشروں میں عورت کی قدر و منزلت بہ نسبت غیر مصری عورتوں کے اس لحاظ سے قدرے زیادہ تھی کہ اُسے معاشرے میں میراث، ملکیت اور مسئولیت جیسے حقوق مُیسّر تھے تاہم پھر بھی افضلیت اور شان و شوکت سے وہ محروم تھی جو صرف مرد کو حاصل تھی اور مرد کے اعلیٰ اور برتر ہونے کا تصوّر اُن کے ہاں بھی اس قدر گہرا تھا کہ چاہے عورت کتنی مشہور و معروف نہ ہو جائے، یہ احساس بحر حال اپنی جگہ قائم ہی رہتا کہ اگر مرد نہ ہوتا تو اسے آج یہ مقام کبھی نہ ملتا، سو وہ آج جو کچھ بھی ہے مرد ہی کے مرہونِ منت ہے، وہ تنہا کچھ بھی نہیں۔ (14) اسی حوالے سے قدیم مصری تہذیب میں "پشتوب" نامی ملکہ کا ذکر ملتا ہے۔ جو ۱۵۵۰ قدم میں اپنی حکومت کے دوران رائے عامہ کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ مردانہ لباس ہی میں ملبوس رہتی۔ اسی فطری نا انصافی نے جہاں عورت کو عزت و مقام دینے کے باوُجود اپنے زنانہ لباس سے محروم کر دیا تھا وہاں چند اور عادات بھی فطری اُصولوں کے سراسر منافی تھیں جیسا کہ اکثر بادشاہوں نے اپنی بیٹیوں سے ہی شادیاں کر ڈالیں، صرف اس وہم اور شک کی بنا پر کہ ان کی اولاد میں غلط خون سرایت نہ کر جائے اور وہ صاف ستھری ہو اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہو اور ایسا کرنے میں اُنھیں کوئی شرم و عار محسوس نہ ہوتی تھی۔ (15)

اور جہاں تک قدیم عرب معاشرے کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل بھی ڈھکی چُھپی نہیں کہ صحرائے عرب پر اسلام کی کرنیں نمودار ہونے سے قبل اُن کی حالتِ زار حد درجہ قابل مذمت وافسوس تھی۔ اس انتہائی بد تہذیب اور بد اخلاق معاشرے کا ایک تاریک پہلو جو بہت عیاں تھا اور قابل رحم بھی کہ وہ لوگ جاہلیت کی سرحدیں عبور کر چکے تھے اور اسی بنا پر اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے جو عورت کے لیے اُن کی شدید نفرت اور حقارت کا بین ثبوت تھا اس کے وجود کو وہ گوارہ نہ کر سکتے تھے، جس لیے ان سے زندگی کا حق چھین لینا ہی اُن کے لیے ذہنی و دلیّ سکون کا باعث بن گیا تھا۔ بہت سے عرب قبائل جن میں قبیلہ بنو تمیم، قبیلہ بنو اسد، قبیلہ کفیلہ اور قبیلہ بنو ربیعہ قابل ذکر ہیں، قتل اولاد کے مکروہ جرم میں ملوّث تھے۔ (16) ان کی حالتِ زار کو قرآنِ کریم یوں پیش کرتا ہے: "وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمۡ بِالۡاُنۡثٰی ظَلَّ وَجۡہُہٗ مُسۡوَدًّا وَّ ہُوَ کَظِیۡمٌ ۔ یَتَوَارٰی مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ؕ اَیُمۡسِکُہٗ عَلٰی ہُوۡنٍ اَمۡ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ" (17) "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کے چہرے کا رنگ (ندامت و شرمندگی کی بنا پر) کالا اور غصہّ کے سبب لال سُرخ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قوم اور قبیلوں والوں سے چھُپا پھرتا ہے اُس برائی کے سبب جو اسے خوشخبری (کی صورت میں) سنائی گئی کہ آیا اسے اپنے ساتھ ذلت و رسوائی لیے رکھے گا یا پھر اُسے

زمین میں ہی (زندہ) گاڑ دے گا۔"

عرب زمانہ جاہلیت اس بات کا گواہ ہے کہ اس نے کبھی بھی عورت کے معاملے میں انسانیت کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا اور اُسے حیوان ہی تصوّر کیا ہے کہ جس طرح حیوان اپنی نسل کو فقط بڑھاوا دیتا ہے اسی طرح سے عورت بھی ہے جو صرف مرد کی نسل کی افزائش نسل اور نشو نما میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ اس ایک پہلو کی جان کاری کے باوجود عرب قبائل کا بیٹیوں کی پیدائش پر اُنھیں زندہ دفن کر دینا انتہائی سفاکانہ اور ظالمانہ فعل تھا جس کی نہ صرف مذہب اسلام نے آکر ممانعت فرمائی بلکہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آگاہ کیا اور تعلیم دی کہ جب لوگ آپ ﷺ کے پاس قبول اسلام کے معاملے میں بیعت کے لیے حاضر ہوں تو ان سے اس بات کا بھی قول و اقرار لے لیا کریں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو ہر گز قتل نہ کریں گے۔ (18) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا: "ولایقتلن اولادھن"۔ (19) "(اے نبی ﷺ ان سے عہد لیجئے کہ) اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے"

درج بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اسلام سے پہلے کی تہذیبوں اور معاشروں میں انتہائی قابل رحم اور اذیت ناک صورتحال سے دو چار رہی ہے۔ لیکن جب اسلام اور اس کی تعلیمات پر نظر دوڑائی جاتی ہے تو ان میں ان تمام غلط رسوم و رواج سے عورت کو آزادی دلوائی گئی ہے جن کی بنا پر عورت مرد کی باندی اور غلامی کی زنجیر دکھائی دیتی نظر آتی ہے۔

عورت اور اسلامی تعلیمات:

مذہب اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مابین ایک توازن قائم کیا ہے۔ چونکہ اسلام فقط ذکر و اذکار پر مستمل مراقبوں یا پھر ترکِ دُنیا کا ہی نام نہیں بلکہ اس کی تعلیمات کا مقصد انسانی معاشرے میں باہمی محبت واُخوت اور ایثار و قربانی کے ذریعے فلاح و بہبود اور ترقی کا حصول ہے جو بندگان خُدا کے مابین قائم رشتوں کی پاسداری اور حفاظت حُرمت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلام نے اسی سوچ و فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرے میں عورت کو ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے متعارف کروایا اور اُن کے حقوق متعین کئے۔ جہاں اسلام نے عورت کی مرضی اور چاہت کا احترام کیا وہاں اُسے چند معاشرتی، سماجی، مذہبی اور اخلاقی ذمہّ داریوں سے بھی آگاہ کیا تاکہ کسی طور معاشرے کا توازن نہ بگڑ سکے۔ اسلام نے دیگر مذاہب اور تہذیبوں کے برعکس عورت کو ایک الگ اور امتیازی شناخت دے کر اس کی عزت و تکریم اور مقام و مرتبہ کو واضح کیا۔ درحقیقت اسلام نے اپنی عالمگیر اور عقل و دانش پر مبنی تعلیمات کے ذریعے عورت کو ظلم و جور، نفرت، تعصّب اور سوائی کی زندگی سے نکال کر عزت و وقار، رحم دلی اور محبت و شفقت کی ایک پرسکوں چاؤں فراہم کی۔ ارشاد ربانی ہوا: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ"۔(20) "اور عورتوں کے واسطے ویسا ہی (حق) ہے جیسا مردوں کے لیے (حق) ہے عام دستور کے موافق۔"

ایک جگہ فرمایا: "وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ"۔ (21) "مومن مرد اور مومن عورت ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں جو بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں" مزید فرمایا: "وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا"(22) "اور جو کوئی بھی مردوں اور عورتوں میں سے نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ ایمان والے ہوں، تو وہ جنت میں جائیں گے اور اُن پر ذرا

برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا تینوں آیات اس بات کو مختصراً بتانے کے لیے کافی ہیں کہ ربِ کائنات نے تخلیقی اور تکوینی اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ اسی طرح وعظ و نصیحت میں بھی دونوں کو ایک جیسا ہی رکھا ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں جزا و سزا کے معاملے میں بھی کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں اور دونوں کے حقوق مساوی اور برابر ہیں۔ نہ مرد اللہ کے ہاں معتبر ہے اور نہ ہی عورت بلکہ اُس کے ہاں مقبول اور محبوب ترین ہونے کا معیار تقویٰ ہے۔

اسی طرح قرآن نے جہاں عورت کو مرد کے لیے عزت و حیا کا ذریعہ قرار دیا تو وہاں مرد کو بھی عورت کی عزت سے تعبیر کیا۔ ارشادِ خداوندی ہوا: "هُنَ لباسُ لَكُم وَانتُم لِباسُ لهُنّ"۔ (23) "وہ (عورتیں) تمھارے لیے لباس اور پردہ (باعثِ عزت) ہیں اور تم (مرد) ان کے لیے لباس اور پردہ (باعثِ عزت) ہو۔" یہ آیتِ کریمہ عورتوں کے حق میں انصاف کی گواہی دینے کے لیے کافی ہے کہ جس میں مردوں سے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ عورت کی بے عزتی، بے توقیری اور رُسوائی درحقیقت تمھاری ہی بے عزتی اور رُسوائی ہے اور اسی طرح عورتوں کو بھی سمجھا دیا گیا کہ آس پاس کے لوگوں اور دُنیا کی باتوں میں آنے کی بجائے یہ بات خوب سمجھ لو کہ تمہارے مردوں (خصوصاً شوہروں) کی عزت اور اُن کا احترام دراصل تمہاری ہی عزت اور تمہارا ہی ادب و احترام ہے۔ اور ان کی رُسوائی تمہاری ہی بے عزتی اور رسوائی ہے۔

اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: "ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرته وإن غاب عنها نصحته في نفسها و ماله"۔ (24) "ایک مومن شخص تقویٰ حاصل کرنے کے بعد جس چیز سے سب سے زیادہ خیر اور فائدہ حاصل کرتا ہے وہ نیک اور صالحہ بیوی ہے۔ (یعنی) اگر وہ اُسے کسی بات کا کہے تو اس کی تعمیل کرے اور اگر اس کی جانب (محبت سے) دیکھے تو وہ (شوہر) خوشی محسوس کرے اور اگر وہ (شوہر) اُس کے متعلق قسم کھائے تو وہ عورت (شوہر کی لاج رکھتے ہوئے آسے جھوٹا ثابت ہونے سے) بری کر دے اور شوہر اگر کہیں چلا جائے تو وہ عورت اپنی عزت و ناموس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔"

عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض مرد حضرات باہر کے معاملات اور لین دین یا تعلق میں اچھے اخلاق اور خوش مزاجی سے پیش آتے ہیں تاکہ معاشرے میں اُن کا مرتبہ اور شان و شوکت برقرار رہے لیکن گھر کی چار دیواری کے اندر خوشگوار ماحول پیدا کرنے میں بالکل بھی کامیاب نہیں ہو پاتے جس کی بڑی وجہ عورت کو ذاتی جاگیر سمجھ کر اس کے متعلق ہر چیز کو اپنا حق سمجھنا ہے، نتیجتاً گھریلو جھگڑے جنم لیتے ہیں اور میاں بیوی میں دُوریاں پیدا ہوتی ہیں جو آپس میں تفریق کا باعث بن جاتی ہیں۔ اسی واسطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو ایک خاص نصیحت اور تعلیم عطا فرمائی تاکہ گھر کا ماحول جنّت نظیر بن سکے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اکمل المومنین ایماناً احسنھم خلقاً و خیارکم لنساءھم" (25) حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل مومن وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو اور تم میں سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے بارے میں اچھا ہو"۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "و خیر کم خیر کم لاہلہ وانا خیرکم لاھلی"۔ (26) "اور تم میں سب سے اچھا وہ (شخص) ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہے اور میں (بھی) تم میں سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہتر ہوں"۔ ان چیدہ چیدہ قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کے مطالعے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کی حفاظت اور اس کے مقام و مرتبہ کا جتنا لحاظ کیا ہے وہ کسی اور مذہب نے بھی نہیں کیا لیکن یہاں ایک سوال جنم لیتا ہے کہ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ عورت آج بھی مسلم معاشرے کی دہلیز پر ظلم و جبر کا شکارہ کر روتی اور شکایت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اُس کے چہرے پر ایک افسوس اور گلہ ہے درج ذیل گفتگو سے از خود صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل معاشرتی سوچ، جاہلانہ رسم و رواج اور کم عقلی و کم فہمی پر مبنی غیر مُدلّل باتیں ہی دراصل عورت کو کشمکش میں ڈالنے کا باعث بنتی ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ اسلامی معاشروں میں سے جب اسلامی تعلیمات نکل گئیں اور اُن کی جگہ خود ساختہ نظریات، رسوم و رواج اور فرسودہ روایات نے لے لی تو پھر عورت کے ساتھ ناروا برتاؤ کا آغاز ہوا پس مُرورِ زمانہ کے ساتھ غیر اسلامی طرزِ عمل اور سلوک کو صحیح سمجھا جانے لگا، کسی نہ کسی طور مردوں کے غالب معاشروں نے اپنے غیر اسلامی اقدامات کو اسلامی لبادہ پہنا کر تحفظ دینے کی ناکام کوشش کی اور یوں مذہب اسلام لوگوں کے ذاتی روّیے اور سلوک کی بھینٹ چڑھ کر بدنام کیا ہوتا جاتا رہا۔

ان معاشرتی ناانصافیوں کی سب سے بڑی مثال عورت کو وراثت سے محروم رکھنا، اس پر ظلم و تشدد کرنا یا مار نا پیٹنا، اس کی مرضی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کا نکاح کروا دینا اور اُس کے کے حقِ ملکیت سے انکار کرنا وغیرہ ہے۔

مذہب اسلام کے سب سے بنیادی ماخذ قرآن مجید میں عورتوں کو وراثت کے اندر حصہّ دینے سے متعلق واضح احکامات دیئے گئے ہیں۔ انہیں نہ صرف مردوں کی طرح میراث کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے بلکہ بعض حالات میں تو مردوں سے بھی زیادہ حصہّ دیا گیا ہے اور عورت کو ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کی حیثیت سے میراث میں حصہّ دے کر معاشی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِّرِجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا "مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے"

ہمارے بعض اسلامی معاشروں کا یہ ایک المیہ رہا ہے کہ عورتوں کے میراث میں اپنا حصّہ مانگنے کو غیرت و حمیت کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور عورت ذات باوجود معاشی مجبوریوں کے اتنی جرات نہیں کر سکی کہ اپنے ماں باپ کے ترکہ میں اپنا حق مانگ سکے کیوں کہ بسا اوقات ایسا کرنے پر خاندان سے الگ یا رشتہ ختم کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے اور عورت کو ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ شوہر کے ساتھ کسی اَن بن کی صورت میں اُسے بھائیوں کے سہارے کی ضرورت ہو گی جسے وہ اپنے والدین کی جائیداد سے حصہّ لے کر ختم نہیں کر سکتی اور یوں دانستہ یا غیر دانستہ، چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے اور بر رضا یا بہ جبر اپنے مالی حق سے اُسے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ پورا اسلامی قانون اُلٹ پلٹ کر لیجیئے، آپ کو کہیں ایسا حکم یا عمل نہیں ملے گا جس میں اس قسم کے سلوک اور روییّ کی توثیق کی گئی ہو لیکن عملاً مسلمانوں کے بعض معاشروں میں یہ ایک معمول کی بات ہے جسے گناہ اور ظلم تک بھی نہیں سمجھا

جاتا۔ باوجود واضح قرانی احکامات اور نبوی تعلیمات کے اس مسئلہ کی جانب کان نہیں دھرے جاتے اور یوُں نتیجتہً یہ معاشرتی بُرائی عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مسلمانوں کو بالعموم اور اسلام کو بالخصوص زِک پہنچاتی ہے۔ جو ایک طرف غیر مسلموں کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ اسلام پر تنقید کے نشتر چلا سکیں تو دوسری جانب عورت کو اسلامی معاشرے میں ایک زبردست نفسیاتی اُلجھن کا شکار کر دیتی ہے جسے سہارا دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

دوسری اہم ترین معاشرتی بُرائی عورت کو بِلا وجہ مارنا پیٹنا اور تشدّد کا نشانہ بنانا ہے۔ اسلام میں جہاں خاندانی نظام کو ایک زبردست حیثیت حاصل ہے اور اُسے قائم رکھنے کی ترغیبات بھی ملتی ہیں وہاں اس کو لے کر بعض اسلامی معاشرے عورت کے ساتھ شدید ناانصافی اور ظلم کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خاندانی نظام کے دو اہم ستون؛ میاں اور بیوی سے متعلق ایک ارشاد فرماتا ہے: "وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً" (28) "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اُس نے تمہارے واسطے تم ہی میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم اُن سے سکون و راحت حاصل کر سکو اور اُس (ہی) نے تمہارے درمیان محبت اور رحم دلی پیدا کی"۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرد عورت کی تسکین جب کہ عورت مرد کی راحت کا ذریعہ ہے یعنی سلاحت و سکون اور آرام دینے میں دونوں برابر اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہاں اکیلے سارا کا سارا بوجھ عورت پر نہیں ڈالا گیا اور نہ ہی صرف مرد کو پابند کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس خاندانی نظام کی اساس بھی بتلا دی گئی جو کہ پیار و محبت، عفو و در گزر، رواداری اور ذہنی ہم آہنگی کا قیام ہے جہاں ایک رشتہ کی بنیاد الفت و محبت قرار دی گئی ہو وہاں مار پیٹ بھلا کہاں جگہ لے سکتی ہے یوں کہ یہ بات ایک اٹل حقیقت ہے کہ دل ہمیشہ پیار و محبت دے کر ہی جیتے جا سکتے ہیں نہ کہ تشدّد، ظلم اور جبر سے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ بیویوں پر ظلم کرنا، انھیں زدوکوب کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایک بار آپ ﷺ نے عورتوں کے حق میں نصیحت فرمائی۔ ارشاد فرمایا: "يعمد أحدكم فيجلد امرأته جلد العبد فلعله يضاجعها من آخر يومه"- (29) "تم میں سے کوئی شخص ارادہ کرے اور اپنی بیوی کو غلام کے چمڑے کی مانند مارے (تو وہ یہ بات ضرور سوچ لے) کہ (کہیں ایسا نہ ہو) اسی دن کے آخری حصّے میں اسے اُس کے ساتھ ہم بستری کرنا پڑ جائے" اسی طرح کے ملتے جلتے الفاظ ایک دوسری جگہ کچھ یُوں آئے ہیں: "لايجلد احدكم امراتہ جلد العبد ثم يجامعھا فی اخر اليوم"- (30) "تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو مثلِ غلام کے نہ مارے پیٹے کیوں کہ (اس کے بعد ایسا نہ ہو) دن کے آخری حصّہ میں اس سے مُباشرت کرنا پڑ جائے" مذکورہ بالا دونوں احادیث عورتوں پر کسی قسم کے تشدد کو خلاف مروّت اور ناجائز قرار دینے کے لیے کافی ہیں، جس سے یہ بات روزِ روشن کی مانند صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ ایک انسان خود کو مُسلمان کہلوانے کے باوجود اگر ان احادیث سے صرف نظر کرتا ہے تو یہ قصور اسلام کا نہیں بلکہ خود انسان کی ذہنی پستی یا پھر معاشرتی جبر کا ہے کہ عورت پر ظلم روا رکھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اسلام کو بعض حلقوں کی جانب سے اس لیے بھی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے کہ اس میں عورت اپنی مرضی سے نکاح نہیں کر سکتی اور اسے اپنے اولیاء کے سامنے اپنے اختیار اور مرضی کے معاملے میں ہتھیار ڈالنا ہی پڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ایک انتہائی غلط فہمی پر مبنی بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام عورت کو اپنی مرضی کے نکاح کا اختیار دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کی ایک حدیث اس بات کی جانب واضح اشارہ کرتی نظر آتی ہے کہ عورت اپنے نکاح کے معاملے میں بالکل بھی مجبور محض نہیں جس طرح اس کے متعلق بیان کیا یا سمجھا جاتا ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: لا تنکح الایم حتیٰ تستامر ولا تنکح البکر حتیٰ تستاذن"۔ (31) "نکاح نہ کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے اور نہ نکاح کیا جائے کنواری کا یہاں تک کہ اس کی اجازت (مرضی) حاصل کر لی جائے۔" صحیح مسلم کی ایک حدیث اس مضمون کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ آپ □ فرماتے ہیں: "الایم احق بنفسها من و الیها والبکر تستاذن فی نفسها و اذنها صماتها"۔ (32) " شوہر دیدہ عورت بنسبت ولی کے خود اپنی ذات (کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے) کی زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کے نکاح کے متعلق اجازت لی جائے جب کہ اس کی اجازت اور رضامندی اس کا خاموش رہنا ہے۔"

جو لوگ صاحبِ عقل و دانش ہیں، مذکورہ بالا دو حدیثوں کو غور سے پڑھنے کے بعد بلا تامل یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ نکاح کے انتہائی اہم باب میں عورت کو مسلوب الاختیار نہیں بلکہ مختار بنایا گیا ہے اور یہی آپ ﷺ کا منشا ہے کہ عورت پر اس معاملہ میں کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ اب رہا ولی کا اختیار تو اس کو بھی سلب نہیں کیا گیا بلکہ اسے عورت کے حق میں بطور مشورہ اور رہنمائی قبول کیا گیا ہے نہ کہ بطور ایک جبر اور حکم کے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے غیر رضامندی اور خوشی کے ساتھ عورت کے مستقبل کا فیصلہ اُس ہی کی خوشی اور رضا مندی کے ساتھ باہمی مفاہمت کے ساتھ کریں گے جس میں دونوں فریق کو ایک دوسرے کے عزت و احترام اور ناموس کی فکر کرنا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح جبر اور زبردستی سے کروا دیا جائے جبکہ لڑکی کی کوئی رضامندی بھی اس میں شامل نہ ہو اور اس کا ثبوت حضرت خنساء بنت خذام کا جبری نکاح ہے کے والد نے ان کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا جسے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باطل کروا دیا۔ "ان اباها زوجها، وهی ثیب، فکرهت ذلک، فاتت رسول الله فرد نکا حها، ای ابطله"۔ (33) "ان کے والد نے ان کی شادی کروادی اس حال میں کہ وہ شوہر دیدہ تھیں، جو اسے ناگوار گزرا، پس وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں اور پھر آپ ﷺ نے ان کا نکاح لوٹا دیا یعنی باطل اور مسترد کر دیا۔" ایک اور واقعہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہا روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں ایک باکرہ عورت حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ "میرے والد نے جس سے میرا نکاح کیا ہے وہ مجھے پسند نہیں۔" اس پر آپ ﷺ نے اس باکرہ لڑکی کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہے نکاح کو قائم رکھے چاہے رد کر دے۔"

ان درجہ بالا احادیث اور چند دیگر روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نکاح کے سلسلے میں عورت پر روا رکھا جانے والا ظلم اسلامی نہیں بلکہ معاشرتی اور قبائلی رسم و رواج کی بنا پر ہے کیونکہ ان احادیث سے تو اسلام ہر عاقلہ بالغہ لڑکی کے لیے شوہر کے اختیار کا حق ثابت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اسلام کسی صورت میں بھی لڑکی کو شادی یا نکاح پر اس کی مرضی کے خلاف راضی نہیں کرتا۔ اسی طرح عورت کے بارے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ وہ کسی ذاتی جائیداد یا کاروبار کی انفرادی ملکیت نہیں لے سکتی حالانکہ یہ تصور نہ صرف غیر اسلامی اور غیر شرعی ہے بلکہ غیر انسانی بھی ہے کہ جہاں انسان کی ایک اکائی کو ہر

چیز پر ملکیت اور تصرف کا حق دیا جائے جب کہ دوسری اکائی کو یکسر محروم کر دیا جائے۔ لہٰذا اسلام نہ صرف عورت کو ملکیت اور تصرف و اختیار کا قانونی جواز فراہم کرتا ہے بلکہ اس کے اس حق کی جانب مردوں کو ترغیب بھی دلاتا ہے تاکہ مسلمان عورت کی کسی قسم کی حق تلفی نہ کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض، للر جال نصیب مما اکتسبوا وللنسآء نصیب مما اکتسبن واساءلوا اللہ من فضلہ، وان کان بکل شی علیما" (35)"اور اُس چیز کی تمنا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں عطا کر رکھا ہے۔ (پس) مردوں کا وہ کچھ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے وہ ان کا حصہ ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو، بلاشک وشبہ اللہ کو ہر چیز کے متعلق علم ہے۔"

عام طور سے قرآن و حدیث میں مردوں کے صیغے سے جو عمومی خطاب کیا جاتا ہے اس میں مرد و عورت دونوں داخل تصور ہوتے ہیں لیکن صدقہ و زکواۃ میں قرآن و حدیث نے خواتین کو بھی خصوصی طور سے خرچ کرنے کی ہدایت کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں عورت ملکیت اور تصرف کی اتنی ہی حقدار ہے جتنا کے مرد اپنے مال مملوکہ کے بارے میں ہے۔ یعنی نہ صرف یہ کہ وہ کسی مالی جائیداد یا کاروبار کی اکلوتی مالک بن سکتی ہے بلکہ ان سے متعلق تمام امور اپنی مرضی اور انفرادی حیثیت سے طے بھی کر سکتی ہے، پھر اس کے نتیجے میں جو بھی مالی فائدہ اسے حاصل ہو۔ اسے اختیار اور آزادی ہے چاہے وہ اپنے پاس محفوظ رکھے یا پھر اہل و عیال پر خرچ کرے۔ کوئی اس سے نہ پوچھ سکتا ہے اور نہ اسے پابند کر سکتا ہے لہٰذا ان تمام اموال میں جن کی وہ ذاتی طور پر مالک ہے اُس کلی اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوا: "واقمن الصلوٰۃ و اتین الزکوۃ واطعن اللہ و رسولہ" (36) "اور نماز ادا کرو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" مزید فرمایا: " إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا" — (37) "بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ،اور مومن مرد اور مومن عورتیں ،اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں ،سچے مرد اور عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں ،(اللہ سے) ڈرنے والے مرد اور ڈرنے والی عورتیں خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (ان سب کے واسطے) اللہ نے بخشش اور ثواب تیار کر رکھا ہے۔"

ان دونوں آیات کریمہ میں عورت کو بھی صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ "المتصدقٰت" واضح اشارہ ہے کہ عورت تملیک کا حق رکھتی ہے تبھی تو اسے خرچ کرنے کا کہا گیا ہے۔ اسے اپنے ذاتی مال اور شوہر کے مال دونوں میں سے خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ البتہ یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ عورت کے کمانے کی صورت میں بھی مرد نان ونفقہ کی پابندی سے مُبرّا نہیں ہے کیونکہ وہ مرد کی شرعی ذمہ داری ہے جس کی بنا پر اسے ایک گونہ فضیلت دی گئی ہے کہ وہ اپنی ذاتی محنت و مشقت کی کمائی سے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے اور دوسری جانب بیوی کا حق بھی یعنی اگر کسی معاشی مجبوریوں اور حالات کی بنا پر بیوی کو کمانا پڑ جائے تب بھی اس کی سعی اسے شوہر سے حاصل ہونے والے نان ونفقہ سے محروم نہیں کرتی۔ اسی بنا

پر قرآن کریم کی " لینفق ذوسعۃ من سعتہ "آیت کی تفسیر میں ایک مشہور مفسر فرماتے ہیں "ای: لینفق الزوج علی زوجتہ " یعنی ایک صاحب استطاعت شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی پر خرچ کرے۔

ان تمام دلائل پر اگر ٹھنڈے دماغ سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کے حق تملیک کے متعلق معاشرے میں افواہ پھیلائی گئی ہے جبکہ دوسری جانب حقوقِ نسواں کی خود ساختہ دعویدار تنظیمیں بلا سوچے سمجھے عورت کو حق شرعی سے محروم اور عورت کو مرد کے برابر قرار دے کر اُسے مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو کہ عورت کے ساتھ سراسر ظلم ہے کیوں کہ عورت اپنی ذات یعنی گھر اور باہر کے بوجھ تلے دب کر اپنی شخصیت کھو بیٹھتی ہے حالاں کہ اسلام نے عورت پر کسی قسم کی ایسی معاشی ذمہ داریاں ڈالی ہی نہیں جس کی بنا پر اسے زمانے کی ستم ظریفی سے گزارا جائے بلکہ وہ ایک ملکہ کی طرح گھر کے اندر رہ کر اس ماحول کو خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے میں کلیدی کردار ادا کر سکتی ہے جہاں ایک طرف اس کے شوہر کی عزت واحترام اور خوشی ممکن ہو تو دوسری جانب اس کی اولاد کو ایک باشعور اور محبت کرنے والی ماں کا سہارا بھی میسر آ سکے۔

غرض اس مختصر سی تحقیقی گفتگو سے جو نتیجہ باآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت جس نفسیاتی کشمکش سے آج گزر رہی ہے اس میں زیادہ تر کردار فرسودہ معاشرے اور اس میں پنپنے والے غیر شرعی اور غیر انسانی نظریات کا ہے نہ کہ اسلامی تعلیمات یا خود عورت کا جس کی بدولت کچھ ایسی معاشرتی برائیوں نے جنم لیا ہے جس نے انسان کی ایک اکائی کو دوسری اکائی کے مقابل اور مخالف لا کھڑا کیا ہے حالاں کہ جو اکائیاں ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہوں اس میں تفاوت بھلا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ فرق صرف اس بات کے سمجھنے کا ہے کہ عورت مرد کے برابر ہے، انسانی اور معاشرتی لحاظ سے ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں البتہ اختلاف بناوٹ اور ساخت کے اعتبار سے ذمہ داریوں اور دائرہ کار کا ہے جو دونوں اکائیوں کا مختلف ہے بالکل ایسے جیسا کہ گاڑی کے اگلے دو پہیوں کا پچھلے دو پہیوں سے ہے، جہاں اگلے دو پہیّے گاڑی کو اپنی طاقت اور صلاحیت سے منزل مقصود کی جانب گامزن کرتے ہیں تو پچھلے دو پہیّے دھوپ یہ گاڑی کو اپنے مقصد کی تکمیل میں مکمل معاونت، مدد اور سہارا فراہم کرتے ہیں اور دونوں کے مابین یہ اعتدال ایک خوشگوار سفر کا باعث بنتا ہے۔

حواشی/حوالہ جات

۱۔ سید ضیاء الدین، ڈاکٹر، عورت قبل از اسلام و بعد از اسلام، النور ہیلتھ ایجوکیشن ٹرسٹ، ص 20، کراچی۔

2. Nordahl, M.E. (2014). Lysander-en spartaner ulik de andre (Master's thesis, the University of Bergen).

3. Foucault, M. (2012). The History of sexuality, vol. 2 the use of pleasure. Vintage

4. Miller, R. A & Brown, C.B. (1957). Representative tragic heroines in the work of Brown, Hawthorne, Howels, James, and Dresiser University of Microfilms.

۵۔ عبدالمنتقم، خواجہ، ہم، ہمارے پیغمبر اور ہمارے مسائل، ص ۵۸، ایم-ار پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۱۔

۶۔ ثناء اللہ محمود، مفتی، اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، ص ۳۹-۴۰، دارالاشاعت، کراچی

۷۔ عورت تاریخ عالم کی روشنی میں، ص ۶۳

۸۔ ایضاً، ص ۶۴
۹۔ انصر عمری، جلال الدین، سیّد، عورت اسلامی معاشرے میں، ص ۲۶، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔
۱۰۔ عالمی یوم خواتین، ایک لمحہ فکریہ، ص ۳۶، ماہنامہ زندگینو، جون ۲۰۱۰۔
۱۱۔ مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، پردہ، ص ۲۰-۲۱، اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲-۲۱۔
۱۳۔ مطالعات نسواں، ص ۳۱۔
۱۴۔ اسلام اور دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، ص ۲۹-۳۰۔
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۱۔
۱۶۔ محمد ثانی، ڈاکٹر، حافظ، محسن انسانیت، ص ۲۹۹، بحوالہ دار الاشاعت، کراچی، بحوالہ: ابن حجر فتح الباری، ج ۱۰، ص ۴۰۶۔
۱۷۔ القرآن الکریم، 16:58-59
۱۸۔ گستاولی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب، مترجم، مولوی سید علی بلگرامی، ص ۳۷۳، مئید عام، آگرہ، ۱۸۹۶ء۔
۱۹۔ القرآن الکریم، 12:60
۲۰۔ القرآن الکریم، 2:328
۲۱۔ القرآن الکریم، 9:71
۲۲۔ القرآن الکریم، 4:124
۲۳۔ القرآن الکریم، 2:187
۲۴۔ ابن ماجہ، السنن، ج 4، ص 96۔
۲۵۔ النوری، شیخ محی الدین، ریاض الصالحین، مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی: ج، 1 ص، ۱۷۰، مُرید بک سٹال لاہور، ۱۹۸۶
۲۶۔ الطبرانی، المعجم الاوسط، ج ۴، ص: ۳۵۶
۲۷۔ سورۃ النساء: ۷
۲۸۔ سورۃ الروم: ۲۱
۲۹۔ النووی، امام یحیٰی بن شرف، ریاض الصالحین، مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی، ج 1، ص 174، فرید بک سٹال لاہور، ۱۹۸۶ء
۳۰۔ البخاری، الامام، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، باب مایکرہ من ضرب النساء ج ۵، ص ۱۹۹۷۔
۳۱۔ ایضاً، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا: ۵۱۳۶۔
۳۲۔ قشیری، الامام، مسلم بن حجاج بن مُسلم، الصحیح المسلم، کتاب النکاح، باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق، والبکر بالسکوت: ۱۴۲۱۔
۳۳۔ ابن حنبل، الامام، احمد، مُسند، ج ۱۱، ص: ۱۶۰
۳۴۔ ابوداؤد، الامام، سلیمان بن اشعث، سُنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یستامرھا: ۲۰۹۶۔
۳۵۔ سورۃ النساء: ۳۲
۳۶۔ سورۃ الاحزاب: ۳۳
۳۷۔ سورۃ الاحزاب: ۳۵